بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلام اور غیر مسلموں سے تعلقات

سید جلال الدین عمری

اسلام کی تصویر جن مختلف پہلوؤں سے بگاڑنے بلکہ مسخ کرنے کی مسلسل کوشش ہوتی رہتی ہے[1] ان میں کا ایک پہلو وہ ہے جس کا تعلق غیر مسلموں سے تعلقات سے ہے. کہا جاتا ہے کہ اسلام انفرادیت پسند ہے۔ وہ مسلمانوں میں علیحدگی کے جذبات ابھارتا ہے، وہ انھیں دوسروں سے کاٹتا اور الگ تھلگ کرتا ہے، وہ اپنوں اور غیروں کے درمیان اتنا زبردست فرق پیدا کرتا ہے کہ غیروں کے ساتھ عام انسانی تعلقات کا بھی روادار نہیں ہوتا۔ وہ اخلاق کا درس ضرور دیتا ہے لیکن اس کا تعلق اپنے ماننے والوں سے ہے، دوسروں سے نہیں ہے. جو لوگ اسلام کے دائرہ میں آجائیں انھیں وہ باہم اخلاقی رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے لیکن اس دائرہ سے باہر اس کی تعلیمات کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ ایک دوسری ہی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے، یہ شکل بڑی بھیانک ہے۔ اس میں محبت کی جگہ نفرت و عداوت اور نرمی کی جگہ سختی اور درشتی نمایاں ہے اور اسلام کے ماننے والوں کی اپنے مخالفین سے مخاصمت شروع ہوجاتی ہے اور وہ ان سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔

اسلام کی اس خود ساختہ تصویر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے. یہ جن ذہنوں کی پیداوار ہے وہ یا تو ناواقفیت کا شکار ہیں یا دوسروں کو فریب اور دھوکا دینا چاہتے ہیں. اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام مسلمانوں کو باہم اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے کا حکم

---

[1] اس کے بعض پہلوؤں پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'اسلام اور اسلامی ریاست' مطبوعہ سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی'، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۳ء۔

دیتا ہے، انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے، ان کے اخلاقی اور قانونی حقوق مقرر کرتا ہے، ان کے درمیان تعاون وتناصر کا جذبہ بیدار کرتا ہے[1] اور انھیں ایک نظام حیات دے کر ایک امت بناتا ہے۔ اس امت کو اس نے ایک اعلیٰ نصب العین دیا ہے۔ وہ یہ کہ وہ دنیا میں خدائے واحد کے دین کی علم بردار بن کر اٹھے، انسانوں کو ان کی دنیا اور آخرت کی فلاح کا پیغام دے، دنیا میں خیر کو عام کرے، بھلائیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے، اس دین کے بارے میں یہ تصور کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں میں کدورت اور نفرت پیدا کرتا ہے، انھیں ایک دوسرے کا حریف اور دشمن بناتا ہے اور ان کے تعلقات میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ بنتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

یہاں غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں اسلام کے رویہ کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ مخالفین نے اسلام کی تصویر کشی نہیں کی ہے بلکہ اپنے ناپاک جذبات واحساسات کو اسلام کی طرف منسوب کردیا ہے۔

قرآن مجید میں والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، مسافروں اور غلاموں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کا عام حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ غیر اخلاقی سلوک کی مذمت کی گئی ہے[2] لہٰذا حسن سلوک ہر ایک کے ساتھ مطلوب ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جس کسی کے ساتھ بھی غیر اخلاقی رویہ اختیار کیا جائے گا وہ غیر اسلامی رویہ ہوگا۔

غیر مسلم والدین سے تعلقات

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم قرآن مجید نے ایک جگہ ان الفاظ میں دیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ — ہم نے انسان کو اپنے والدین کا

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ — حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی

۱؎ اس کی کسی قدر تفصیل راقم کے مضمون 'اہل ایمان کے باہمی تعلقات' میں موجود ہے۔ مطبوعہ ماہنامہ زندگی نو جنوری [illegible]

۲؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' باب 'خدمت کے مستحق'

وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؛

(لقمان: ۱۴، ۱۵)

ماں نے کم زوری پر کم زوری اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے، اس لیے ہم نے اسے وصیت کی کہ تم میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میرے ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان اور ان کے ساتھ معروف کے مطابق اپنا برتاؤ رکھ۔

ان آیات میں صاف طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ والدین کے ساتھ چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں حسن سلوک کیا جائے گا۔ ان کے شرک و کفر کی وجہ سے کسی قسم کی بدسلوکی روا نہ ہوگی۔ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "وان جاھداک" الخ (اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے) کے الفاظ سے واضح کر دیا ہے کہ حسن سلوک کا یہ حکم مسلم والدین اور غیر مسلم والدین دونوں ہی کے لیے ہے۔ پھر یہ فرما کر صاحبھما فی الدنیا معروفا (دنیا میں ان کے ساتھ معروف کے مطابق برتاؤ رکھو) اس حکم کو موکد اور مستحکم کر دیا ہے۔

اس کے قانونی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ باپ اگر اولاد کو قتل کر دے تو اس سے (شریعت کے عام ضابطہ کے مطابق) قصاص نہیں لیا جائے گا، وہ اس پر تہمت لگائے تو اس پر حد نہیں جاری ہوگی، اولاد کے قرض کی عدم ادائیگی پر اسے قید نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ والدین محتاج ہوں تو ان کا نان و نفقہ اولاد پر واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ ساری چیزیں معروف کے ساتھ برتاؤ میں آتی ہیں اور اس کے خلاف اقدام اس کے منافی ہوگا۔[1]

---

[1] جصاص، احکام القرآن: ۲/۳۳۴

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ آدمی کے والدین چاہے مسلمان ہوں یا کافر ان کا نان ونفقہ اس پر واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر والدین کے ساتھ بھی برتاؤ میں معروف کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اس کا تقاضا ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ لیس من المعروف ان یعیش فی نعم اللہ تعالیٰ ویترکہما یموتا جوعا۔ یعنی یہ کوئی نیکی اور معروف نہیں ہے کہ آدمی خود تو اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے اور والدین کو بھوکا مرنے چھوڑ دے[1]۔

اسلام مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک کا روادار ہے یا نہیں اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کہتی ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے دوران میں) میری ماں جو مشرک تھیں مجھ سے ملنے آئیں[2] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ انھیں مجھ سے کچھ توقع ہے، کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو[3]۔

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور تحفہ ...... پنیر اور مکھن لائی تھیں، لیکن حضرت اسماء نے انھیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینے اور ان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ ان کا تحفہ قبول کریں اور اپنے گھر بھی آنے دیں[4]۔ امام نووی فرماتے ہیں:۔

فیہ جواز صلۃ القریب المشرک[5]	اس حدیث سے مشرک رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کا ثبوت ملتا ہے۔

کافر والدین کا انتقال ہو جائے تو مسلمان اولاد ضرورت پر ان کے کفن دفن کا نظم کرے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تو آپ نے ان کی عیادت فرمائی[6]۔ جب انتقال ہوا تو حضرت علیؓ نے آپ کو اس کی اطلاع دی[7]۔ اور دریافت کیا کہ انھیں کون

[1] اسلام میں خدمت خلق کا تصور بحوالہ ہدایہ: ج ۲ ص ۴۲۵، ۴۲۶

[2] ان کا نام قتیلہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں طلاق دے دی تھی۔ فتح الباری: ۵/ ۲۳۳

[3] بخاری، کتاب الہبہ، باب الہبۃ للمشرکین۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ علی الاقربین۔

[4] نیل الاوطار: ۶/ ۱۰۶ - ۱۰۷ بحوالہ مسند احمد وغیرہ

[5] نووی: شرح مسلم ج ۳ جزء ۷، ص ۸۹ [6] مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۳۶

[7] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ابوطالب کی وفات کی خبر سن کر آپ رو پڑے۔

دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جاؤ اپنے باپ کو دفن کر دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا وہ تو مشرک تھے اور ہدایت سے محروم تھے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اپنے باپ کو دفن کرو۔ پھر اور کوئی کام کیے بغیر سیدھے میرے پاس آؤ۔ میں گیا انھیں دفن کیا[1] اور آپ کی خدمت میں پہونچا تو آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا اور دعا دی۔ ایسی دعا کہ اس کے عوض مجھے سرخ و سیاہ اونٹ (دنیا جہاں کی دولت) بھی پسند نہیں[2]

مشہور تابعی مکحول کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طالب کے جنازہ میں شرکت کی تھی۔ کنارے کنارے چلے، ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ فرمایا رشتہ نے آپ کو مجھ سے جوڑ دیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ ان کی قبر پر آپ کھڑے نہیں ہوئے[3]

علامہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ ہمارے علماء (احناف) نے کہا ہے کہ کسی مسلمان کے کافر ماں باپ کا انتقال ہو جائے تو وہ انھیں غسل دے گا، جنازے کا ساتھ دے گا اور دفن کرے گا، اس لیے کہ ان کے ساتھ معروف کے مطابق حسن سلوک کا جو حکم دیا گیا ہے یہ اس میں شامل ہے[4]

کافر ماں باپ کے انتقال کے بعد اگر ان کی یاد آجائے تو آدمی ان کی قبر پر بھی جا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ (حضرت آمنہ) کی قبر کی زیارت فرمائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جو صحابہ کرام ساتھ تھے وہ بھی رو پڑے۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے استغفار کی اجازت مانگی لیکن مجھے اس کی اجازت نہیں ملی۔ میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت دے دی گئی۔ تم لوگ قبروں کی زیارت کرو۔ اس سے موت کی یاد تازہ ہوتی ہے[5]

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں۔

۱؎ بعض روایات میں غسل اور کفن کا بھی ذکر ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ زیلعی، نصب الرایہ: ۲/۲۸۱ - ۲۸۲

۲؎ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک۔ نسائی، کتاب الطہارۃ، باب الغسل من مواراۃ المشرک۔ کتاب الجنائز، باب مواراۃ المشرک۔ مسند احمد: ۲/۱۳۶۔ حدیث نمبر ۸۰۷، ۱۰۷۴۔ تحقیق احمد محمد شاکر۔

۳؎ عبدالرزاق، المصنف: ۶/۳۸۔ غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کے موضوع پر آگے چل کر ہم انشاء اللہ بحث کریں گے۔　۴؎ احکام القرآن: ۲/۲۳۶

۵؎ مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبیؐ ربہ فی زیارۃ قبر امہ۔ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور۔

فیہ جواز زیارۃ المشرکین	اس سے مشرکین کی ان کی زندگی میں
فی الحیوۃ وقبورھم بعد	زیارت اور ملاقات اور مرنے کے بعد ان کی
الوفاۃ لانہ اذا اجازت	قبور کی زیارت کا جواز نکلتا ہے اس لیے کہ
زیارتھم بعد الوفاۃ ففی	جب ان کی زیارت ان کی وفات کے بعد
الحیوۃ اولیٰ[1]	جائز ہے تو زندگی میں بدرجہ اولیٰ جائز ہونی چاہیے

غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلقات

قرآن مجید نے والدین کے ساتھ رشتہ داروں کے حقوق بھی بیان کیے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کی ہے۔ احادیث میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم رشتہ دار دونوں ہی آتے ہیں۔ بعض قانونی احکام میں ان کے درمیان فرق ہے لیکن حسن سلوک اور تعاون اور ہمدردی کے غیر مسلم رشتہ دار بھی مستحق قرار دئے گئے ہیں۔ یہاں پہلے ایک قانونی فرق کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

قرآن مجید نے وراثت کے سلسا یہ قانون بیان کیا ہے کہ آدمی کے خونی رشتہ دار ہی اس کے وارث ہو سکتے ہیں۔ غیر رشتہ دار وارث نہیں ہو سکتے۔ ان کا اس نے تعین کر دیا ہے۔

ولکل جعلنا موالی	ہم نے ہر ایک کے لیے جو کچھ والدین اور
مما ترك الوالدان و	قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے وارث
الاقربون (النساء: ۳۳)	مقرر کر دئے ہیں۔

اسلامی قانون وراثت میں دین کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ اس کی رو سے مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ ایک مسلمان کی وراثت کا حق اس کے مسلمان قرابت داروں ہی کو ہے، غیر مسلم قرابت دار اس کے وارث نہیں ہوں گے۔ اسی طرح غیر مسلم کی وراثت کا حق اس کے غیر مسلم رشتہ داروں ہی کو حاصل ہوگا۔ مسلمان رشتہ دار اس سے محروم رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح حدیث ہے:

لا یرث المسلم	مسلمان نہ تو کافر کا اور نہ کافر مسلمان کا

---

[1] نووی: شرح مسلم ج ۳ جز ۷، ص ۴۵

الکافر ولا الکافر المسلم[1] وارث ہوگا۔

وراثت کے کچھ اصول ہیں اور رشتہ داروں کے درمیان ایک ترتیب ہے۔ اسی لحاظ سے وہ وراثت کے حق دار ہوں گے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى	اور رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ	اللہ کے قانون میں بے شک اللہ ہر چیز کا
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الانفال: ۷۵)	علم رکھتا ہے۔

یہ بات صرف وراثت کی حد تک ہے۔ اس سے ہٹ کر جو رشتہ دار اور خویش واقارب وارث نہیں ہیں آدمی ان کی مدد اور تعاون کر سکتا ہے اور اسے کرنا چاہئے۔ وقت ضرورت ان کے حق میں وصیت بھی کی جا سکتی ہے:۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى	اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار ایک دوسرے
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ	کے زیادہ قریب ہیں دوسرے اہل ایمان اور
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا	مہاجرین سے، مگر یہ کہ تم اپنے رفیقوں کے ساتھ
اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۚ كَانَ ذٰلِكَ	کوئی بھلائی کرنی چاہو تو کر سکتے ہو۔ یہ اللہ کی
فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ○ (الاحزاب: ۶)	کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا غیر وارث مسلم عزیزوں اور قرابت داروں کی طرح غیر مسلم رشتہ داروں کی بھی مدد کی جا سکتی ہے اور ان کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے؟ فقہا سلف نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ اسے وہ جائز سمجھتے ہیں۔ اس کی بنیاد سورۂ احزاب کی یہی مذکورہ بالا آیت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی عزیز کے لیے وصیت کی تھی[2]

حضرت عکرمہؒ کی ایک روایت میں ہمیں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت صفیہؓ نے اپنا ایک مکان حضرت معاویہؓ کو ایک لاکھ میں فروخت کیا۔ انھوں نے ایک عزیز سے جو یہودی تھا، کہا اگر تم اسلام لے آؤ گے تو میرے وارث ہو جاؤ گے، لیکن اس نے ان کی بات نہیں

---

[1] بخاری، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر، مسلم، کتاب الفرائض۔ اس موضوع کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جصاص، احکام القرآن: ۲/ ۱۲۲-۱۲۳۔ نووی، شرح مسلم ج ۲ جزء ۱۱ ص ۵۲-۵۳۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۶/ ۱۹۲-۱۹۴

[2] دارمی، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ لاہل الذمہ۔ ۲/ ۵۱۷

مانی۔ پھر انھوں نے اس کے نام وصیت کردی۔ بعض لوگوں کے بیان کے مطابق وصیت تیس ہزار کی تھی۔[1] امام شعبی کہتے ہیں:-

تجوز وصیۃ المسلم للنصرانی[2]	مسلمان نصرانی کو وصیت کرسکتا ہے۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا بن رباح سے سورۂ احزاب کی آیت کے اس فقرہ الا ان تفعلوا الی اولیاء کم معروفا (مگر یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ بھلائی کرو) کے بارے میں دریافت کیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ فرمایا عطا اور بخشش مراد ہے۔ میں نے کہا کہ کیا وہ بخشش جو ایک مومن اپنے کافر قرابت دار کو کرتا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں۔ زندگی میں وہ جو اسے دیتا ہے اور اپنے بعد اس کے لیے جو وصیت کرتا ہے[3]

حضرت قتادہؓ سے اس فقرہ کی تشریح ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

الا ان یکون لک ذو قرابۃ	ہاں اس کی اجازت ہے کہ تمہارا کوئی قرابتدار
لیس علی دینک فتوصی لہ	ہو جس کا دین تمہارا دین نہ ہو اور تم اس کے لیے
بالشیٔ ھو ولیک فی النسب	وصیت کرو۔ وہ رشتہ کے لحاظ سے تمہارا ولی ہے
ولیس ولیک فی الدین۔	دین کے لحاظ سے ولی نہیں ہے۔

حضرت حسن بصری نے بھی اس کی یہی تشریح کی ہے[4]

محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہے کہ مسلمان یہودی اور نصرانی کو وصیت کرسکتا ہے[5]

اسلام چاہتا ہے کہ غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ سماجی تعلقات رکھے جائیں اور ان کے ساتھ محبت، ہمدردی اور تعاون کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کا ایک ذریعہ تحفے تحائف دینا ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں حضرت عمرؓ کے ایک واقعہ سے ملتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی جوڑا بطور تحفہ بھیجا حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ریشم کے استعمال سے تو آپ نے (مردوں کو) منع فرمایا ہے پھر یہ مجھے کس لیے عطا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اس لیے نہیں ہے کہ تم اسے پہنو بلکہ اس لیے ہے کہ کسی اور کام میں لاؤ، کوئی دوسرا فائدہ اٹھاؤ۔ حضرت عمرؓ نے یہ جوڑا اپنے ایک (اخیافی) بھائی کو جو مشرک تھے، تحفہ میں بھیج دیا۔[6]

---

[1] عبدالرزاق: المصنف: ۳۳/۶ [2] حوالہ سابق [3] حوالہ سابق: ۳۳/۶، ۳۴
[4] حوالہ سابق: ۳۴/۶ [5] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۲۶/۱۴
[6] بخاری، کتاب الھبۃ، باب الھدیۃ للمشرکین۔ مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال اٰنیۃ الذھب والفضۃ الخ

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں۔

وفی ھٰذا کلہ دلیل لجواز صلۃ الاقارب الکفار والاحسان الیھم وجواز الھدیۃ الی الکفار[1]	اس سب میں دلیل ہے اس بات کی کہ کافر قرابت داروں کی صلہ رحمی اور ان کے ساتھ حسن سلوک جائز ہے۔ اس میں کفار کو ہدیہ اور تحفہ بھیجنے کا جواز بھی موجود ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم بیمار ہو جائے تو اس کے مسلمان رشتہ دار کو اس کی عیادت اور خدمت کرنی چاہیے۔ اس کے جنازہ میں شرکت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عطا بن رباح کہتے ہیں :۔

ان کانت قرابۃ قریبۃ بین مسلم وکافر فلیعد المسلم الکافر[2]	اگر مسلمان اور کافر کے درمیان قریبی رشتہ داری ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت کرنی چاہیے۔

اسی طرح فرماتے ہیں :۔

ان کانت قرابۃ قریبۃ بین مسلم وکافر فلیتبع جنازتہ[3]	اگر قریبی رشتہ داری ہے مسلمان اور کافر کے درمیان تو مسلمان کو کافر کے جنازہ میں شریک ہونا چاہئے۔

فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب ہدایہ میں ہے۔

واذا مات الکافر ولہ ولی مسلم فانہ یغسلہ و یکفنہ ویدفنہ[4]	جب کسی کافر کا انتقال ہو جائے اور اس کا ولی و سرپرست مسلمان ہو تو وہ اسے غسل دے گا اور تجہیز و تکفین کرے گا۔

غیر مسلم پڑوسیوں سے تعلقات

انسان کا عملاً سب سے قریبی تعلق اس کے پڑوس سے ہوتا ہے۔ یہ تعلق جتنا مضبوط ہو وہ اتنا ہی سکون اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔ اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ پڑوسی اس کے لیے خطرہ

[1] نووی: شرح مسلم ج ۵ جزء ۷ ص ۸۹ [2] عبدالرزاق، المصنف: ۳۵/۶
[3] عبدالرزاق، المصنف: ۳۶/۶ [4] ہدایہ: ۱۶۱/۱، ۱۶۲

نہیں ہے، اس سے اسے کوئی نقصان اور گزند نہیں پہونچے گا بلکہ اس کی جان مال اور عزت وآبرو محفوظ رہے گی اور وہ اس کے دکھ درد اور آسائش و راحت میں شریک ہوگا تو وہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ کاروبار حیات میں اپنی ذمہ داری ادا کرسکتا ہے، ورنہ وہ سخت دشواریوں سے گزرے گا۔ اسلام نے انسان کو بہترین پڑوسی بننے کی تعلیم دی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من کان یؤمن باللہ والیوم — جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے
الآخر فلا یؤذ جارہ[1] — اسے اپنے پڑوسی کو اذیت نہیں پہونچانی چاہئے

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ جب سالن پکاؤ تو پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسیوں میں سے جس کے گھر ضرورت ہو اس میں سے کچھ اسے بھیج دو۔[2]

پڑوسیوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم عام ہے۔ اس کے مستحق مسلمان پڑوسی کی طرح غیر مسلم پڑوسی بھی ہیں۔ صحابہ کرام نے اس تعلیم سے یہی سمجھا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاں بکری ذبح ہوئی تو آپ نے گھر والوں سے ایک سے دو بار دریافت کیا کہ ہمارے فلاں یہودی پڑوسی کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے پڑوس کے سلسلہ میں اس قدر تاکید کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ وہ اسے وارث نہ بنادیں۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس ایک غیر مسلم پڑوسی کی عیادت کی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ (اس دوران میں) اس سے کہا اے ماموں! آپ لا الہ الا اللہ، کا اقرار کیجئے۔ اس نے کہا کہ میں ماموں ہوں یا چچا؟ آپ نے فرمایا نہیں ماموں ہیں (اس لیے کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ کا تعلق مدینہ سے تھا) اس نے کہا کہ کیا لا الہ الا اللہ کا کہنا میرے حق میں بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں[4]

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار [2] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ۔
[3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار [4] مسند احمد: ۳/۱۵۲، ۱۵۴، ۲۶۸۔

سرہانے بیٹھے۔ اس سے کہا کہ تم اسلام لے آؤ۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لو چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر اس نے اس بچہ کو جہنم سے بچالیا۔[1]

ان روایات سے مشرکین اور یہود کی تعزیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اسلام کا پیش کرنا تو خیر خواہی کا تقاضا ہے۔ آدمی جسے حق سمجھے اسے وہ ہر حال میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔ فقہاء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر مسلموں کی عیادت اور تعزیت جائز ہے۔ اس میں از روئے شرع کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:۔

ولا بأس بعيادة اليهودي	یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی
والنصراني لانه نوع بر في	حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان کے حق
حقهم وما نهينا عن	میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک ہے
ذالك[2]	اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔

درمختار میں ہے کہ 'اس بات پر اجماع ہے کہ ذمی کی عیادت جائز ہے، مجوسی کی عیادت کو بھی صحیح قول کے مطابق جائز قرار دیا گیا ہے'[3]

اسی طرح تعزیت سے بھی منع نہیں کیا گیا ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ کسی یہودی یا مجوسی کے بچہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے مسلمان پڑوسی کو اس کی تعزیت کرنی چاہئے اور کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بہتر جانشین عطا فرمائے اور آپ کے حالات کو بہتر بنائے[4]

یہ ہے اس رویہ کی ایک جھلک جسے غیر مسلموں کے سلسلہ میں اپنانے کی قرآن وحدیث نے تعلیم دی ہے اور جس کی قانونی اور اخلاقی حیثیت سے ہمارے علماء و فقہاء نے بحث کی ہے۔ مزید تفصیل انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں آئے گی۔

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات الخ۔ مصنف عبد الرزاق: ۶/۳۴ میں اسی مفہوم کی ایک روایت ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ آپ کا ایک یہودی پڑوسی تھا جو اخلاقی طور پر برا نہ تھا۔ آپ نے اس کی عیادت کی پھر اوپر ہی کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ممکن ہے یہ کوئی دوسرا واقعہ ہو۔

[2] ہدایہ: ۴/۴۷۲ [3] رد المحتار علی الدر المختار: ۵/ ۲۷۱

[4] حوالہ سابق۔